گلبانگِ آزادی

نہال سیوہاروی

مقدّمہ

ہر دور کی شاعری اپنے ماحول کی کیفیتوں اور اُس عہد کی اجتماعی وتمدنی خصوصیتوں کا آئینہ ہوتی ہے۔ اب سے دور ایک بدقسمت وقت تھا جبکہ ہندوستان کے نوابوں، امیروں، اور رئیسوں پر اخلاقی موت طاری تھی۔ شب و روز اُن کی محفلوں میں ہنگامۂ رقص و سرود گرم رہتا تھا۔ عیش و عشرت کی فراوانی نے ایک مستقل آرٹ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ دنائت و پست ہمتی کے زنگ نے قومی کیرکٹر کی شمشیر آبدار کو کُند کر کے اس درجہ بیکار کر دیا تھا کہ دشمنوں کی فوج کے مقابلہ میں تالیاں بجا بجا کر "موذُں" کو بھگانے کی تدبیریں سوجھتی تھیں۔

محلسراؤں میں اُن لوگوں کو دردِزہ کی آہ وکراہ کے ساتھ اظہارِ درد وکرب میں مزہ ملتا تھا جن کے ہاتھوں میں تلوار وتفنگ کے زور سے قائم رہنے والی حکومت کی باگ ڈور دی گئی تھی۔ یہاں فکرِ فردا اور غمِ مستقبل کا کہیں گذر بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ہر روز روزِ عید تھا۔ اور ہر شب شبِ برات۔ اور زبانیں ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے   عاقبت کی خبر خدا جانے

کے نغمہ سے مترنم۔

اس دور کی شاعری ان اثرات سے کس طرح محفوظ رہ سکتی تھی چنانچہ شعراء نے معاملہ بندی کے مضمون پر دادِ سخن دی۔ واسوختیں کثرت سے تصنیف ہوئیں۔ ہوس کارانہ مضامین کے میدان میں توسنِ فکر نے خوب خوب جولانیاں دکھائیں۔ دوپٹہ اور آنچل۔ سرمہ مسی۔ کنگن اور آرسی۔

چولی اور محرم۔ زلفِ شبگوں اور چشمِ مخمور، ساعد بلوریں اور ساق سیمیں وغیرہ جیسی چیزوں کا عریاں انداز بیان میں ذکر اور شبِ وصال کی درونِ خانہ خلوتوں اور لذتوں کی نقاشی وتصویر کشی شاعری کی پروازِ تخیّل کا منتہا تھا۔ اوّل تو موضوع سخن نہایت رکیک اور فحش۔ پھر شعراء کا ہر قسم کی قید سے آزاد ہو کر اُن کو مختلف اسالیبِ بیان سے ہیجان انگیز تشبیہات و استعارات کے ساتھ ذکر کرنا نوابوں کی محافلِ نشاط و سرود میں رنگین و بیباک قہقہوں کی لہر دوڑا دیتا تھا۔ اس بنا پر اُس عہد کی شاعری حقیقی شاعری نہیں۔ بلکہ فحشیات کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے اس دور کا خاتمہ کر دیا لیکن اب ہندوستان اپنوں کا نہیں غیروں کا محکوم تھا۔ طاقت وحکومت چھن چکی تھی۔ سات سمندر پار سے آنے والی ایک اجنبی قوم کا سکّہ چل رہا تھا۔ دلوں پر یاس کا

ہجوم۔ اور اُداسی کا غلبہ تھا۔ آنکھیں ندامت و شرمساری کے آنسو بہا رہی تھیں۔
قوتِ عمل پر جمود و تعطل نے قبضہ کر لیا تھا۔ ولولے سرد۔ اُمنگیں فسردہ ہمتیں
شکستہ و خستہ اور حوصلے پست تھے۔ آمادگی و بیداریٔ عمل کا خون منجمد ہو کر
رہ گیا تھا۔ اور ہندوستان غلامی کے طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا عظمتِ رفتہ
کی یاد میں سوگوار نظر آتا تھا۔ اس عالمگیر بربادی و ویرانی کو دیکھ کر غالب
جیسا ناخدائے سخن بھی ایک آہِ سرد بھر کر خاموش ہو گیا اور اُس نے کہا بھی
تو صرف یہی ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اور غالب بے چارے کچھ بولتے بھی تو کس طرح۔ عالمگیر اُداسی نے انہیں
ویرانی کا ایسا خوگر بنا دیا تھا کہ دشت میں سبزہ کی فراوانی دیکھ کر گھر بھی یاد
نہیں رہا تھا۔ اس عالم یاس و نا اُمیدی کے عالم میں حالی آئے۔ انھوں نے

اپنا ترانہ چھیڑا۔ عہدِ گذشتہ کی یاد دلائی۔ اسلافِ کرام کے قصے سُنائے۔
دوسری طرف سے اکبر مرحوم نے موجودہ پستی و زبوں حالی پر طعن و طنز
شروع کیا۔ خودی کی تعلیم دی۔ غیروں کی تہذیب و تمدن کے عیوب سے
آگاہ کیا۔ اور اُن کے نقش قدم پر چلنے سے روکا۔ پھر اقبال بزمِ شاعری میں آئے
تو ایک نئے انداز سے اُنھوں نے اپنا نغمہ ہوش زا چھیڑا۔ مایوس دلوں کو
ڈھارس بندھائی۔ پست ہمتوں کو اُبھارا۔ خوابیدہ بخت انسانوں میں
زندگی و بیداری کی ایک برق دوڑادی ماضی کی داستانیں سُنائیں
حال کی تصویر دکھائی مستقبل کے فکر کی دعوت دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجمع
میں غور و فکر کی خو پیدا ہوئی۔ فسردگی کی جگہ بیداریِ احساس نے لے لی۔
اور جمود و تعطل کی بجائے شعورِ نفس اور احساسِ خودی کی کارفرمائی شروع ہوگئی۔
آج ہندوستان میں جو سیاسی بیداری پائی جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ

اُس میں اقبالؔ اور اُن کے دوسرے رفقا کا بہت بڑا حصّہ ہے جن کے
شعروں نے اجتماعی ذہنیت میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ اُن کے کام و دہن
سے جو درد بھرے نالے بلند ہوئے سُننے والوں کے دلوں میں انھوں نے
تیر و سناں کا کام کیا۔ اقبالؔ اور اُن کے ساتھیوں کی شاعری جہاں ایک
طرف سیاسی بیداری کا سبب ثابت ہوئی تو دوسری جانب ادبی اعتبار
سے اُس کا یہ اثر ہوا کہ اُردو شاعری کا رُخ ہی بدل گیا۔ افسانۂ گُل و بلبل
کی جگہ حریت و آزادی کے گیت گائے جانے لگے۔ اور رمو و کمر کے عوض
ملک و وطن کی شان میں اشعار تصنیف ہونے لگے۔ جور و جفاء معشوق کی بجائے
سیاسی استبداد و ستم کا رونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ غزلوں میں بھی اس قسم
کے مضامین انھیں پُرانی تشبیہات و استعارات کے ساتھ ادا ہونے لگے۔
جگرؔ مرادآبادی فانیؔ بدایونی وغیرہ جیسے چند شعرا ناسدار کو چھوڑ کر جنھیں

قدرت نے پیدا ہی حُسن و عشق کے دقیق رموز کی شرح و بسط کے لئے کیا ہے
اِس دور کے اکثر و بیشتر نوجوان شعراء کو دیکھئے تو اُن کے کلام میں اقبالؔ کی پیدا
کی ہوئی روح بدرجۂ اتم نمایاں نظر آتی ہے۔ اور وہ بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں ؎

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

جناب نہالؔ سیوہاروی جن کی چند رباعیات کا مجموعہ اس وقت آپ
کے پیشِ نظر ہے۔ اس دور کی شاعری کی ایک خوشنما اور نمایاں مثال
ہیں۔ آپ سیوہارہ ضلع بجنور کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں
جس کا بچّہ بچّہ ذوقِ شعر سے آشنا ہوتا ہے۔ آپ بچپن سے ہی شعر کہتے
ہیں۔ شروع شروع میں نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ سے اصلاح
لیتے رہے۔ لیکن طبیعت حد درجہ موزوں اور ملکۂ شعر گوئی خداداد تھا۔ اِس لئے

کلام میں پختگی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ایک مستقل راہ بنانے میں کامیاب ہو گئے
اُن کے کلام میں غالب اور اقبال کے تتبع کی مثالیں کثرت سے پائی
جاتی ہیں۔ لیکن یہ تتبع بہ تکلف نہیں بلکہ طبعی اور فطری ہی۔ اُن کے تغزل
میں حقیقت و واقعیت کی ایک ایسی جھلک پائی جاتی ہے کہ ہر سُننے والا
اُسے اپنی ہی داستان سمجھ کر سر دُھننے لگتا ہے۔ اور بیساختہ کہہ بیٹھتا ہی ؎

بھرے آتے ہیں آنسوؤں کے حال گریۂ بلبل
ارے دل یہ تو میری داستاں معلوم ہوتی ہی

اور جیسا کہ غالب نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہی

یہی ایک وہ وصف ہے جس کو کسی شاعر کے کلام کی اثر انگیزی کی سب سے

بڑی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

ابن رشیق القیروانی نے عمدہ شعر کی تعریف میں کہا ہے کہ عمدہ شعر وہ ہوتا ہے جو متکلم کی زبان سے نکلتے ہی سامع کے دل تک بغیر اُس کی اجازت کے پہونچ جائے ،، یہ وصف اُس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ شعر میں دو خوبیاں پائی جائیں۔ ایک حسنِ تخیّل اور دوسری حسنِ محاکات ،، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دو چیزیں ہیں جو ایک شاعر کو بہترین نثر نگار یا بلیغ خطیب سے متمایز کرتی ہیں۔ کیونکہ خطیب تخیّل کی وسیع فضا میں پرواز کرنے کے لئے آزاد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے کلام کو موثر بنانے کے لئے حاضرین کے مخصوص رجحانات اور اُن کی نفسیات کی رعایت پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح نثر نگار اپنی انشا میں خواہ کتنے ہی بلند تخیل اور خیال آرائی سے کام لے۔ لیکن ظاہر ہے وزن و قافیہ کی ہمواری اور کلام کی موزونیت

کے باعث شعر مترنم ہو کر جس قدر موثر ہو جاتا ہے۔ اچھی سے اچھی نثر اس درجہ اثر انگیز نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کو نثر میں خواہ کیسے ہی موثر پیرایہ بیان سے ادا کیا جائے۔ اُن کا خاک اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اُنہیں کو شعر میں ادا کیجیے تو حُسنِ کلام کی شرابِ دو آتشہ سہ آتشہ بن کر سُننے والوں پر ایک عجیب کیفیت سُکر طاری کر دیتی ہے۔ مثال کے لئے اشعار ذیل ملاحظہ کیجیے۔

بات کرنی تک نہ آتی تھی تمہیں (داغ) یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا (مومن) جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آرزوئے وصال کرتے ہو (داغ) یار تم بھی کمال کرتے ہو

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے (غالب) نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے (انور) پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

یہ اشعار نہایت سادہ اور سلیس ہیں۔ اور ان میں جو مضمون ادا کیا گیا ہے وہ کوئی عمیق منطقی یا فلسفیانہ حقیقت بھی نہیں ہے۔ لیکن اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ اِن ہی خیالات کو بلیغ نثر میں ادا کیا جاتا تو اُن کا مطلقاً کوئی اثر نہ ہوتا۔ یہ صرف شعر کے پیرایہ میں مضمون کی حُسن محاکات کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کو سُنتے ہی سامع پر ایک حیرت انگیز کیفیتِ وجد و رقص طاری ہو جاتی ہے۔

آج ہندوستان میں گوشہ گوشہ سے آزادی کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے جلسوں میں اس موضوع پر بڑی بڑی تقریریں کی جاتی ہیں۔ اخبارات میں پُرزور مقالات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا بے مبالغہ ہے کہ جناب نہالؔ سیوہاروی کی ان رباعیات کو پڑھنے کے بعد دوں پر جو اثر ہو سکتا ہے۔ اور آزادی کے تصور سے جسم و جان میں جو حرارت

پیدا ہو سکتی ہے۔ اُس کے مقابلہ میں بڑی بڑی تقریریں اور پُر زور مقالات اس قدر موثر ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت نے نہالؔ صاحب کو حُسنِ تخیّل اور حُسنِ محاکات دونوں سے حصّہ وافر عطا فرمایا ہے۔ وہ سادہ سے سادہ حقیقت کو تخیّل کا آب و رنگ دیکر ایک ایسے انداز میں بیان کرتے ہیں جو الفاظ کے تناسب، ترکیب کی چُستی اور بندش کی مضبوطی اور تشبیہات و استعارات کی ندرت و جدّت کے باعث سامع پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر رباعیاتِ ذیل ملاحظہ کیجیے۔

میخانہ میں شغلِ جام و کُل آزادی
مسجد میں دعا، جزو کُل آزادی
تشبیہ ہے اک اور بھی آزادی کی
آوارگیٔ نکہتِ گُل آزادی

ملت کو پیامِ ارتقا آزادی
مایوس دلوں کا آسرا آزادی
ساون کے برستے ہوئے بادل کی قسم
ساون کی ہے گھنگھور گھٹا آزادی

بپھرے ہوئے طوفاں کو کمک آزادی
دب کر رہے کیا زیرِ فلک آزادی
بجلی کی کڑک نہیں سُنی گر تم نے
سُن لو کہ ہے بجلی کی کڑک آزادی

جناب نہال سیوہاروی ایک فطری اور وہبی شاعر ہیں۔ اور اس
کی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی سرکاری ملازمت کی وجہ سے صبح سے

شام تک قطعی غیر شاعرانہ فضا میں رہتے ہیں۔ اگر آجکل کے بعض شاعروں کی طرح اُن کو بھی شاعر بننے کا شوق ہوتا تو وہ کبھی کا اس ذوق کو خیر باد کہہ بیٹھے ہوتے۔ لیکن اس کے برخلاف واقعہ یہ ہے کہ وہ روز بروز نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کے میدان میں گامزن ہیں۔ اور اگرچہ وہ غالبؔ کی طرح شاعری کو ذریعہ عزّت نہیں سمجھتے اور اس لئے وہ شہرت و نام آوری سے طبعاً نفور ہیں۔ لیکن اُن کی ترقی کا انداز یہی رہا تو ایک وقت آئے گا جبکہ اُردو شاعری کا یہ کوکبِ درخشاں آسمانِ ہند پر مہر درخشاں بن کر نمودار ہو گا۔ البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ خود بھی اس عالمگیر مقبولیت و شہرت کو دیکھ سکیں گے۔ متاعِ سخن کے خریداروں کی سرد مہری اور اس جنس کی ہوشربا ارزانی کے ہاتھوں انہیں بھی حسرت نصیب غالبؔ کی طرح "شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن" کہنا پڑے گا۔

نہالؔ صاحب نے اس مجموعہ میں آزادی پر مختلف تشبیہات و استعارات
کے ساتھ اس انداز میں دادِ سخن دی ہے کہ اُن کو پڑھ کر بیساختہ ملکۂ آزادی
کی عظمت و وقعت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اور پڑھنے والا اپنی
غلامی پر نظر کرتا ہے تو طلبِ حُرّیت و آزادی کا جذبہ اُس کے دل و
دماغ کو ولولۂ عمل اور جوش و خروشِ ایثار سے بھرپور کر دیتا ہے۔
اِس بنا پر یہ مجموعہ جو پاکٹ اڈیشن پر شائع ہو رہا ہے اس لائق ہے کہ
ہر نوجوان (ہندو ہو یا مُسلمان) کے ہاتھ میں رہے اور وہ بار بار اس کا مطالعہ
کر کے اپنے لئے بیداری و سرگرمیِ عمل کا سامان کرے۔ اسکول کے
بچوّں کو اس مجموعہ کی چیدہ چیدہ رباعیاں یاد کرانا اُن میں پختگیِ خیال و
احساس کے پیدا کرنے کا سبب ہوگا۔

پبلک کو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین کا

شکرگذار ہونا چاہئے کہ اُنھوں نے اس مجموعہ کو دیکھ کر اس کی قدر کی۔ اور رفاہ عام کی خاطر اسے اپنے اہتمام سے شائع کرنے کی زحمت اُٹھائی۔ اُمّید قوی ہے کہ اربابِ ذوق اُردو ادب کے ان انمول موتیوں کی قدر کریں گے۔

سعید احمد

آزادی

رونقِ دین مسجد و کنشت ہے آزادی
ہو جلوہ طرازِ زینتِ وحشت ہے آزادی
معلوم نہیں ٹھیک کہ وہ کیا ہے بہشت؟
ٹھیک ہے یقیں کہ ہو بہشت آزادی

یہ دیس ہے کہ جلوہ بار آزادی

قوتیں کی منزلیں ہیں استقلال آزادی

بنا ہے چمن تیرا آزادی کا

کھلتے ہیں پھول نیکی کی بہار آزادی

سرمایۂ سوزشِ دردِ دل آزادی
فانوسِ تنِ آب و گِل میں شمعِ آزادی
کیا خوب یہ تفسیر ہے آزادی کی
ہے قصرِ حیات کا ستوں آزادی

اک شیشۂ احساسِ وطن آزادی
اک معرکۂ دار و رسن آزادی
یہ پیچ ہے گرہِ غلامی کو کہ وہ
وہ کاشفِ تقدیرِ کہن آزادی

تہذیب کی معراج کمالِ آزادی
انسان کی عظمت خیالِ آزادی
کافور ہو ظلمتِ غلامی جس سے
وہ مہرِ درخشاں کا جلالِ آزادی

ارباب جہاں کی ہو نعیم آزادی

اقوام کا خطۂ عظیم آزادی

کشتی ہے جب کا [illegible]

وہ طورِ معانی کی کلیم آزادی

ہر موج کے لب پہ صبح و شام آزادی
بہتے ہوئے دریا کا خرام آزادی
زنہار یہ سبق آزاد نہ بھول
فطرت کا ہے اولیں پیام آزادی

یہ جشنِ انوارِ فروغِ آزادی

مسرورئ دل و دماغِ آزادی

یہ جس کی بنیاد خونِ شہیدانِ وفا

وہ دُر کا لعلِ شب چراغِ آزادی

آتی ہے سبق دیتی ہوئی آزادی
اقوام کو دیتی ہیں یکدل و آزادی
جو قوم ابھی دنیا میں غلامی میں ہیں
وہ قید ستم سے ہوں آج کی آزادی

ہر عزیز انساں کو کیوں نہ آزادی
اقبال جہاں کی ہے نفس جیسی آزادی

اس شعلۂ آتش سے ہم انساں کیوں ہو
بن جائے گی گلزار خلیل آزادی

ہے علم کا دولت و اقبال آزادی

ہر تابندہ جبیں سے ہے عیاں آزادی

اس شخص کی عقل تیرہ و تاریک ہے

جو کہ نہ سمجھا ہے وقار آزادی

آنکھوں کی ضیا یہ دیوں کا نور آزادی

یا آتشیں برق سرِ طور آزادی

ہے ایک پیالہ جام مئے والا جبکا

اس جنت ارضی کی وہ حور آزادی

سرمایۂ عشق کائنات آزادی

ہر غم سے وسیلۂ نجات آزادی

یہ راز سکندر کو بھی معلوم نہ تھا

ہے حکمت آب حیات آزادی

جذبات کا سیلِ بے اماں آزادی

ہے زندگیِ دل کا نشاں آزادی

تو کچھ بھی نہیں ہے

نسبت ہو جب نہ یہاں آزادی

ن۔ طنطنہ

ہے درد و الم کی چارہ گر آزادی
ہے حال پیش مُغنیّن ثبت آزادی
اک نسخۂ دلکشا ہے جس کا ہر حرف
اسی سے ہے کی وہ بینت ہست آزادی

میخانے میں شغل جام و مل آزادی
مسجد میں دعائے جزو و کل آزادی
تشبیہ دی اک اور بھی آزادی کی
آوارگی ہے بہشت گل آزادی

انعام آئین جملہ نعمتِ آزادی

دل جس پہ فدا ہوں وہ قیمتِ آزادی

ہیچ ہیں ہزار اربابِ تیغ و نگیں

اے مردِ بہشت ایک دمِ آزادی

آوازۂ فطرتِ بلند آزادی

شہنائی جانِ دردمند آزادی

حلقے میں ہیں جس کے عرش و کرسی بھی اسیر

وہ ہمتِ عالی کی کمند آزادی

طوفانِ جوانی کی ہو آزادی
دنیائے امل کی آئیو آزادی
سرسبز ہی جس دم سے ہے کشتِ ہستی
دہقاں کا ہے وہ کرم ہو آزادی

ہر رنگ میں ہیں تشنۂ خونِ رواں آزادی

کیا پائی ہے تشنۂ دل و جاں آزادی

نصیب اس ہم دیکھا آزادی کا

آزاد خیالوں کی زباں آزادی

گیر و دار میں دیکھے ابتلائے آزادی

گرفتار ہیں تن لے بپا آزادی

ہے تیغ مردانِ خدا بھکو بتاتیں

ہے شیوہ مردانِ خدا آزادی

بیت گئو پیا پیم ارتقا آئی آزادی
ہاپین دولوں کا آئی آزادی
بادل کی آئی تقسیم
ساون کی برستی بوندیں آزادی
ساون کی آئی گھنگھور گھٹا آزادی

دیس سے جو غلامی کو وہ نا آزادی

گرمائے جو باطن کو وہ آزادی

اک سطر پہ نو تحریر کی لکھتا تھا

آزاد جوانی کا کاری آزادی

ہمت کا مذاق ارجمند آزادی

افلاک کی دور رس کمند آزادی

تو بندۂ وطن میں آونچا ہے بلند

ہو بندۂ وطن میں سب سے بلند آزادی

آفاق میں پائی ہے جس روشن آزادی
پیتی ہے یہی نہیں سمجھی جو تپش آزادی

پیغام گہن آیا ہے طوفان حیات
طوفان حیات کے ہے جو تپش آزادی

ارمانِ دلِ مرغِ اسیر آزادی
شاعر کی نوائے جاں پذیر آزادی
ہر میر و فقیر طالب آزادی کا
مطلوبِ ہمہ میر و فقیر آزادی

دنیائے عمل کی آج ہے دولت آبِ آزادی
گنجینۂ لطف اب ہے حبابِ آزادی

اے عرصۂ ہستی کیا یہ دورِ بہشت سراب
واللہ اک سرچشمہ ہے آبِ آزادی

دربانِ غم و کلفت و رنجِ آزادی
سامانِ کنوں نقش و سخنِ آزادی
تزئینِ نغمۂ سازِ آزادی ہے
تزئینِ پئے یادگارِ نغمۂ آزادی

نسبت ہو جن کی چمنستانِ آزادی
ان فاتح اردو نکی ہو فنا کی آزادی

ایک عمر سے ہو یہ خطۂ ہند غلام
انعام کرے اب خدائے پاک آزادی

ہائے تنِ جاں اور وطن آزادی
گلکاریٔ تختۂ چمن آزادی

اپنے ثبات نفس کیا پایا ہے
بعد تنبیہ حیات کی گراں آزادی

کیا جانے کیا بن آ گئی آزادی
اک چیخ سی اٹھی آ گئی آزادی
بیدار ہوئے آج صدیوں کے غلام
صدیوں کے لیے جگا گئی آزادی

پیچھے ہوتے طوفاں کو کیا آزادی
دریا ہے کیا ہے پیچھا نیا آزادی
بجلی کی آگ کا ہے پیچھے نہیں تپتی آتش سے
سن کے گرج بجلی کی آگ کی آزادی

شعورِ جہاں اک چارہ ور دنیا آزادی
سیل رواں نہ تھی لبالب آزادی

اے کاسبِ عشق و رہِ آسیری ستی!
اے کاسبِ عشق و رہ بانگ آزادی!

فطرت کا تری راہ پہ نثار آزادی
گویا ہے اک آئینہ صفات آزادی
تا بعد یہ نعمت جہاں اُس کو ملا
جب تیغ صحابہ سے تری راہ کو عطا آزادی

اگر عمل ہو تو پیدا ہے آزادی

ہمت کی پکار ہیں ہو جائے آزادی

ہمت مشکل ہوتا

میں تیغ نفس میں حباب کا آزادی

کرتی ہو نواز عشق سے آزادی

مفتاحِ خزانہائے غیب آزادی

ہر عیب جو ہو اگر ہو عیب آزادی

از نغمۂ شعر

فردوس کا نغمہ ہے آزادی

حوروں کی ادائے دلفریب آزادی

جنگاہ میں پیاری تیغ بدستِ آزادی
شعور افگن ہے بلند و پستِ آزادی

پیغ و فا جل ایں ہیں عاشقِ آزادی کے
سینے شغف کی ہے ادائے مستِ آزادی

ثبات نئی اب ہے کمال آزادی

ہوئی بسر و روز کی جیب آزادی

ہوئی [illegible] کیا آیا

کیا نوجوان حیات کامل آزادی

مقصودِ دلِ اسیر ہے جانِ آزادی

ہر دل کی ہے صبح عرفانِ آزادی

اعلان یگانگی ہے پیام آزادی کا

ہر قوم کی تقریر کی آوازِ آزادی

کا وقت آں ہے نئی صبح آزادی
وہ جاں آگئی صبح آزادی
ہالم کہ حقیقت شناس بیں
ہالم کی آئی ہے صبح آزادی

تھا نچ میں تیرے پیش و پس آزادی
کچھ تیر سے اور قفس آزادی
ساون کی دھواں دھار گھٹاؤں کی طرح
ہاں جھوم برس برس برس آزادی

توحید کا درس نقش آزادی
ہے راہ نجات کی نقش آزادی
مذہب کی حقیقت نے بتلا دیا
مذہب ہی کا اور نام آزادی

میداں سے کبھی ہٹتی نہیں آزادی

خنجر سے کبھی کٹتی نہیں آزادی

ہر چند تشدد نے دبانا چاہا

بڑھتی ہی رہی گھٹتی نہیں آزادی

جو عصر میں گم تھی وقت آزادی

جو عہد کی شان اپنا آزادی

جو چیز زمانے کی بنیاد انسان

یہی گیت سنہرے زمانہ انسان آزادی

نیر دودماں کا جہاں آزادی
ضو ریز کراں تا بکراں آزادی

مژگاں نے کیں پیش آرہا ہیں نذر کیں
اک بیدا کی عوض آستیاں آزادی

مخزنِ احساس تمام آزادی
ہو بیانِ زندگی کا جامِ آزادی

بے انتہا تھیں جن کی بیتابیاں آج
ان کے دلوں میں پیدا ہوا جامِ آزادی

ہماری حیات معنوی آزادی
ہاتھوں سے نہ جائے جیتی آزادی

زمین ہماری تو پھر طنطنہ آزادی کا
ہمارے نفس نفس زندگی آزادی

موجِ گُل و موجِ ابِ شانِ آزادی

تیزہ کا آزادی

ہر رنگ میں پیدا ہے کو

آزادی

کیا ذوق ہے کیا شوق ہے آزادی

اپنے قفس کی ہے جا کا آزادی

آفاق میں ہے گرم سخن تیز آزادی
ہر قوم جہاں میں ہے شعلۂ تیز آزادی
ہو جائیں جو دنیا سے غلامی کیلئے
اٹھتی ہی نہیں ہے تحریک آزادی

وہ جشن فروزاں ہیں یادِ آزادی
یا مردِ کوہی بنائے عمرِ آزادی
اس قول پہ کارزار عالم گیر گواہ
عہد ہیں تھی کہ منزلِ آزادی

درمانِ دل بلبل ہے آزادی

نشو و نما کے عوض قفسوں کی آزادی

ہو جس کی تمنا کہ یہاں خلد بریں

وہ خلد بریں کا پھول ہی آزادی

ایک پیچ سے غم زمانہ سے لیتی آزادی
کہو تاں تم سے جھیلتی آزادی
تم تنگ ہو جہاں اب تیری بیتیہ
شعلے دل وہاں کوئی کھیلتی آزادی

شور فگن زمانۂ آزادی
از نغمۂ والہانۂ آزادی
[illegible] اقوام
اقوام کا تازیانۂ آزادی

گہوارۂ اعصار ہے پیاری آزادی
ابوابِ ترقی کی کلید آزادی
ہے عہد پہ کس شان آزادی کا
کہتی ہی نہیں تاب عیب آزادی

تینیں جہان آن بدو گل آزادی
یعنی ہے سب بہار مستقل آزادی
رونق کی دو جہان میں آزادی ہے
ہے سیکہ آفاق میں دل آزادی

نہال